BA Part II
Hons paper III
Book - 4

روحِ انیس

(1)

سوال نمبر ۱: مرثیہ کے فن سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے؟ یا
مرثیہ کے اجزائے ترکیبی سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے؟ یا
مرثیہ کے آغاز و ارتقاء پر روشنی ڈالئے؟

جواب: عربی زبان کے لفظ 'رثا' کے معنی رونا اور ماتم کرنے کے ہیں۔ اسی سے مرثیہ لفظ بنا ہے۔ صنف مرثیہ مرنے والے کے اظہار غم کے لئے مخصوص ہے۔ عربی اور فارسی صنف ادب میں اس کا یہی انداز رہا۔ لیکن اردو میں اس کا ایک الگ مخصوص انداز بن گیا کہ مرثیہ کے تحت واقعات کربلا کا نقشہ پیش کرتے ہوئے حضرت حسین امام کی شہادت اور ان کے اصحاب اہل بیت پر یزید کی فوج اور یزید لعین کی زیادتی و مصائب کو خصوصی قلم بند کیا گیا۔ گذرے پانچ سو سالوں سے مرثیہ گوئی کا یہی موضوع رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی و فارسی ادب سے الگ ہٹ کر اردو ادب میں کسی شخص کی موت پر اظہار تاسف کے لئے جو نظم لکھی گئی اسے شخصی مرثیہ کا نام دیا گیا جیسے "مرثیہ عارف" وغیرہ۔

مرثیہ کی شروعات کا سہرا عام طور پر دکن کو مانا جاتا ہے۔
پہلا مرثیہ اشرف کا "نوسرہار" کو مانا جاتا ہے۔ اس کا موضوع بھی واقعہ کربلا ہے۔ منظوم داستان کے رنگ میں یہ شہادت نامہ لکھا گیا۔ اشرف نظام شاہی سلطنت کا شاعر تھا۔ اس کا نام شیخ محمد اشرف تھا اور تخلص اشرف تھا۔ بعض محققین نے اس کا نام سید شاہ اشرف لکھا ہے، جو غلط ہے۔ اسلام کر دکنی میں اردو کے مصنف نصیر الدین ہاشمی نے ان کے مثنوی "نوسرہار" کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تعلق احمد نگر سے تھا۔ واقعات کربلا کے متعلق دکنی زبان کی یہ پہلی مثنوی ہے جس میں حضرت امام حسین کے مصائب اور حالات کربلا منظوم کئے گئے ہیں۔ اس میں نو باب ہیں۔ اسی لئے اس کا "نوسرہار" کا نام دیا۔ کلام نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

رو رو کہے یوں حسین — اب کے پکھیرو کو ملیں

اس کے بعد جو مرثیہ دستیاب ہوا ہے وہ گول کنڈہ کے مشہور شاعر ملا وجہی کا ہے۔ وجہی قطب شاہی عہد کا ایک صاحب طرز نثر نگار بھی تھا اور باشعور مثنوی نگار اور مرثیہ گو بھی تھا۔ اگرچہ ان کا جذباتی بین و بکا کی کیفیت مرثیہ میں نمایاں ہے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

حسین کا غم کرو عزیزاں — رکھوں سوں خون انجھو عزیزاں

شمس العشاق میراں جی کی وفات پر ان کے صاحبزادے برہان الدین جانم جو کہ باپ کے خلیفہ بھی تھے ان کی وفات پر شخصی مرثیہ لکھا۔

BA Part - II
Hons paper - III
Book - 4

روحِ انیس

(2)

نہیں کچھ میں پتہ نکالنے من تمہاری — اللہ مجھ عاشق اپنا تو تمہاری

سلطان محمد قلی شاہ، ملا وجہی، نوری اور عبداللہ قطب شاہ وغیرہ نے بھی مرثیے لکھے۔

ابوالحسن تانا شاہ کا درباری شاعر مرزا نے صرف مرثیہ لکھا اور کچھ نہیں۔ یہ عادل شاہ ثانی کے دور میں تھا۔ گویا کہ وہ (whole timer) مرثیہ گو تھے۔ اس نے اپنے مرثیوں سے سوز و گداز کی کیفیت بھی پیش کی اور مشکل زمینوں میں طبع آزمائی کرکے اپنے قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کیا۔

نبی کے نواسے پر اتنا ستم — سب امت کے آگے یہ اتنا ستم

گولکنڈہ کے شاعر غواصی نے لفظ و بیان کی جہت سے مرثیے کے اسلوب کو صاف اور معیاری بنانے کی کوشش کی۔ لطیف اور کاظم کے یہاں بھی زبان و بیان کی یہی صفائی واضح ہے۔ گولکنڈہ کے ہی ایک اور شاعر افضل نے مرثیہ شاعری کے اسلوب کو فروغ دیا۔ اس دور میں شاہ قلی خاں شاہی کو مرثیہ نگاری کی حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔
عادل شاہی دور کے مرثیہ نگاروں میں مقیمی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعض مراثی دستیاب ہو چکے ہیں۔ مرثیے کی روایت کو ہاشمی، ملک خوشنود اور بعض دوسرے دکنی شاعروں نے فروغ دیا۔ دکن کی مرثیائی شاعری اردو شاعری کی ارتقائی تاریخ کے تسلسل کی ایک اہم کڑی ہے۔

شمالی ہند میں مرثیہ نگاری کے اولین نقش ہمارے سامنے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ زمانے میں آتے ہیں۔ شمالی ہند کی اولین مرثیہ کا نمونہ "عاشورہ نامہ" 1688ء ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں اکرم، یک رنگ، حاتم، مسکین کے ساتھ فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" میں مرثیوں کے نمونے ملتے ہیں۔ فضلی کی "کربل کتھا" (1732-33) کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ اسی طرح اٹھارویں صدی میں بہت سارے مرثیہ نگار سامنے آتے ہیں۔ مرثیے کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں سکندر، سعادت، مجروح، سودا، میر، مصحفی وغیرہ کا شمار بھی معتبر مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

سودا نے مرثیہ کو سب سے پہلے "مسدس" کے فارم میں لکھا۔ اس کے بعد عام طور پر مسدس کے فارم میں ہی مرثیہ لکھا جانے لگا۔ ساتھ ہی یہ سودا پہلے شاعر ہیں جنہوں نے مرثیہ کو صرف رونا رولانا اور آہ و بکا تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو آگے بڑھایا۔ اس کو فنی اور ادبی حیثیت دلا دیا۔ میر کے کلیات میں بھی مرثیوں کی اچھی تعداد ہے۔ لکھنؤ میں میر خلیق پہلے شاعر نظر آتے ہیں۔

BA Part II
Hons paper- III
Book- 4

## روح انیس



جنہوں نے مرثیہ گوئی میں کمال حاصل کی۔ ان کے مرثیوں کی زبان صاف اور پاکیزہ ہے۔ ان کے مرثیوں میں سوز و گداز اور درد و اثر ہے۔

مرثیہ کے لیے سر زمین اودھ کافی زرخیز ثابت ہوئی اور وہاں کے حکمرانوں نے اس کو آگے بڑھانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ ضمیر، دلگیر، فصیح وغیرہ کی بھی اہمیت ہے۔ ضمیر نے مرثیہ نگاری کے اصول مرتب کیے اور اس کی ہیئت کا تعین کیا۔ مرثیے کے ہیئت سے اجزائے ترکیبی کی ایجاد اور ان کی ترتیب ضمیر ہی کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے مرثیے میں سراپے اور رزمیہ لکھنے شروع کیے۔ ان کی زبان سادہ و صاف ہے۔ ضمیر، دلگیر، فصیح اور خلیق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اردو کے عظیم مرثیہ گو خواہ وہ میر انیس اور مرزا دبیر کے لیے راہیں ہموار کیں۔

اردو مرثیہ نگاری کا روشن باب انیس و دبیر کے عہد میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان دونوں نے اسے بام عروج پر پہنچایا اور اس کی شہرت ملک کے دور دراز تک پھیلی۔ انیس کو شاعری وراثت میں ملی تھی۔ ان کو واقعہ نگاری پر کمال حاصل تھا۔ انیس کی سب سے بڑی خوبی ان کی قادر الکلامی ہے۔ اردو کے دوسرے عظیم مرثیہ نگار دبیر ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی تشبیہات و استعارات کا استعمال ہے۔

ان کے بعد رشید، وحید، تعشق، شاد عظیم آبادی، عارف لکھنوی اور شمیم مرزی کے مرثیہ ہو چکے ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے مرثیہ میں تصوف کو داخل کیا۔ ساحر، جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری، نجم آفندی، ہلال نقوی، ہلال رضوی نے بھی مرثیے لکھے۔ جوش نے اسے منفرد انداز دیا۔ اس کے بعد صنف تو بہ ظاہر ختم ہو چکی ہے۔ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرزمین لکھنؤ کی فضا مرثیہ کو کافی راس آئی۔ ویسے انور عظیم آبادی اور اختر رضوی نے بھی مرثیہ لکھے۔

شخصی مرثیہ میں غالب کا عارف کے موت پر لکھا گیا مرثیہ، مومن کا محبوبہ کی وفات پر لکھا گیا مرثیہ، حالی کا غالب پر لکھا گیا مرثیہ اور اقبال کا داغ پر لکھا گیا مرثیہ کافی مشہور ہوا۔

مرثیے کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں: